© rasailojaraid.com

نقطہ نظر

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانیؒ

مدیر اعلیٰ ماہنامہ "التسخیر" لاہور

اکیسویں صدی اور علماء کرام کا رویہ اور کردار

اب تک کیا ہوا؟ اور اب کیا ہونا چاہیے؟

اکیسویں صدی شروع ہو چکی ہے۔ بیسویں صدی بہت سے عالمی و علاقائی، سیاسی و سماجی، تہذیبی و معاشی اور انتظامی و اخلاقی مسائل کو اپنے پہلو میں لیکر محو سفر رہی۔ بہت سی خوشگوار اور اتنی ہی تعداد میں ناگوار یادوں کے ساتھ اپنا سفر سمیٹ رہی ہے یا سمیٹ چکی ہے بہت سے اعتبارات سے بیسویں صدی بہت کامیاب رہی اور بہت سے زاویوں سے وہ ناکامی کا داغ بھی ماتھے پر سجائے ہوئے ہے۔ اس میں جہاں ایک طرف بہت سے ایشیائی و افریقی ممالک آزاد ہوئے وہاں دوسری طرف انکے باشندوں کو آزادی کا سفر طے کرنے کیلئے خاک و خون کا سمندر محاورتاً نہیں بلکہ عملاً اور واقعتاً عبور کرنا پڑا۔

الجزائر کو فرانس، انڈونیشیا کو پرتگال اور پاک و ہند کو برطانیہ سے آزادی ملنے کی بڑی بھاری جانی و مالی قربانی دینی پڑی۔ اس طرح سوڈان، مصر، لیبیا، جنوبی افریقہ، زمبابوے اور دوسرے بہت سے ممالک آگ کا دریا پار کر کے ساحل آزادی پر اترے۔

بیسویں صدی میں اسلامی تحریکات بھی پورے زور سے اٹھیں اور انکا راستہ بھی پوری قوت سے روکا گیا خواہ ان تحریکوں کا تعلق مشرق وسطیٰ سے ہے یا برصغیر پاک و ہند اور افریقہ سے اسی صدی میں روس میں بالشویک، چین میں سوشلسٹ اور ایران میں مذہبی حوالے سے انقلاب برپا ہوا بہت سے ممالک ابھرے اور بہت سے بگڑے، سائنس نے اس صدی میں زقندیں لگائیں اور قلانچیں بھر کر ترقی کی، گھٹنوں کے بل چلنے والی سائنس اب برقی رفتار کیساتھ آگے بڑھ اور منزلیں سمیٹتی رہی ہے۔ بیسویں صدی میں خلاء تسخیر ہوئی۔ چاند پر انسان نے قدم رکھا اور اسی صدی میں بعض ملکوں کے کروڑوں عوام کو جنگ افلاس اور سیاسی غلامی کی اتھاہ غاروں میں دھکیلا گیا۔

علامہ مرحوم نے یہ مضمون دو سال قبل ہمارے نمبر کیلئے خصوصی طور پر لکھا تھا۔ مضمون انتہائی اہم اور فکر انگیز ہے تاہم ان کے مضمون سے ادارہ کا کلی طور پر متفق ہونا ضروری نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیسویں صدی میں طاقت کے نئے توازن اور زاویے متعارف ہوئے۔ پچھلی صفوں میں رہنے والے ممالک امامت کے منصب پر آگئے اور آدھی دنیا کو غلام رکھنے والے خود اپنے دائروں میں سمٹ گئے امریکہ بہت آگے آگیا۔ اور برطانیہ عظمیٰ اپنے جزائر تک محدود ہوگیا، روس جس طوفانی رفتار سے آگے بڑھا تھا اسی تیزی سے بکھر کر رہ گیا۔ بہت سی سیاسی و عسکری قوتیں بگولے کی طرح اٹھ کر آندھی کی مانند پورے عالمی افق پر چھاگئیں مگر جلد ہی گرد بن کر بیٹھ گئیں۔ بعض سائنسی ایجادات نے بیسویں صدی میں دنیا کو آپس میں مربوط کر کے اسے "گلوبل ویلج" بنادیا مگر یہ بھی سچ ہے کہ تہذیبی و مذہبی اعتبار سے دنیا کے اندر بہت وسیع خلیج بھی حائل ہوئی اور بعض عالمی مفکروں اور دانشوروں نے بات "تہذیبی تصادم" تک پہونچادی بلاشبہ بیسویں صدی میں اقوام متحدہ قائم ہوئی اور دنیا کو ایک عالمی پلیٹ فارم میسر آیا ہتھیار کی زبان کی بجائے قانون، مذاکرات اور استدلال کی زبان میسر آئی لیکن یہ بھی اتنا ہی بڑا حادثہ ہے کہ اقوام متحدہ 'اسکے منشور' حقوق بشری کی قرارداد اور عالمی عدالت انصاف کے ہوتے ہوئے بھی بہت سی جگہوں پر اسی طرح بزور قوت چڑھائی کی گئی جس طرح کسی دور میں دارا و سکندر اور چنگیز و ہلاکو نے کی تھی، اقوام متحدہ چپ رہی اسکے منشور گونگے ہوگئے قراردادیں طاق نسیاں کی نذر ہوئیں اور عالمی عدالت انصاف ایک فریق بن کر فیصلہ دینے سے گریزاں رہی المختصر یہ کہ سو سال کی کہانی سو الفاظ میں سمیٹنا ناممکن ہے اس کیلئے سینکڑوں کتابیں لکھی جائیں گی۔ تب ایک صدی کا مفصل جائزہ مرتب ہو کر تاریخ کے سپرد ہوگا۔

بیسویں صدی رختِ سفر باندھ اور اکیسویں صدی اپنے پر کھول رہی ہے۔ آج بھی مسائل و معاملات کا وہی ایجنڈا ہے جسے بیسویں صدی ادھورا چھوڑ گئی ہے ویسے بھی انسان کا مسئلہ خود انسان جتنا قدیم ہے۔ مسائل کی اوپری سطحیں بدلی ہیں گہرائی وہی ہے جو قبائلی و جاگیری دور میں تھی صنعتی دور میں صرف مسئلے کی جہتیں بدلی ہیں۔ مسئلہ ہے کیا؟ مسئلہ دو سطروں میں سمٹ آتا ہے مگر یہ حل دو ہزار سال میں بھی نہیں ہوسکا۔

انسان کا مسئلہ ہے حق زندگی اور وہ بھی آزادی و عزت کے ساتھ رزق اور وہ استحصال کے شکنجے سے آزاد ہو اور امن اور ایسا امن جسے قائم رکھنے کے لئے تلوار کی ضرورت پیش نہ آئے۔ ان تینوں بنیادی مسائل کا حل انبیاء کرام نے الہی احکام و تعلیمات کی روشنی میں پیش کیا تھا مگر بعض انسانی طبقات نے اپنی اغراض کے ہاتھوں اس حل کی مزاحمت کی اور اس مسئلے کو آج تک تشنہ تکمیل بنادیا ہے اس بغاوت کے نتیجے پر گزشتہ صدیاں گواہ ہیں کہ انسانی آبادی تو بڑھ گئی مگر حسنِ زندگی برباد ہوگیا۔ وسائل رزق روز افزوں ہیں مگر انکا حصول مشکل کردیا گیا۔ اور امن ایک ایسا خواب بن کر رہ گیا جسے سوتے میں دیکھا تو جاسکتا ہے جاگتے ہوئے برتا نہیں جاسکتا۔ اکیسویں صدی کا سورج ایک وقت اب تک منکشف ہونے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والے پانچ براعظموں پر چند دنوں بعد طلوع ہونے والا ہے امریکہ اسکا استقبال کیسے کریگا؟ آسٹریلیا اسے کس نظر سے دیکھے گا؟ افریقہ اسے کیونکر خوش آمدید کہے گا؟ یورپ اس سے کس انداز میں ملے گا؟ اور ایشیاء اسکا نظارہ کس طرح کریگا؟ کیونکہ ہر ایک کا اپنا زاویہ نظر اور مسائل کا دفتر ہے۔

عالم اسلام بھی اکیسویں صدی کا استقبال کرنے والی اس دنیا کا ایک اہم اور قابل ذکر حصہ ہے جسے عالمی ایجنڈا کسی صورت نظر انداز نہیں کرسکتا۔ مسلمان دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ہیں یعنی ایک ارب مسلمان اور عالم اسلام تقریباً چھپن ممالک پر مشتمل ہے جہاں یا تو صد فیصد مسلمان آباد ہیں یا پھر اس ملک کی اکثریتی آبادی مسلمانوں کی ہے، عالم اسلام کے اپنے مسائل ہیں اور پھر عالم اسلام اپنے اندر بیشمار طبقات رکھتا ہے۔ سیاستدان، دانشور، علماء، وکلاء، طلباء، سائنسدان، صنعتکار، زمیندار، اساتذہ وغیرہ اور اسی طرح اسکے بیشمار شعبے ہیں، تعلیم، طب، سائنس، زراعت، صنعت، تجارت، قدرتی وسائل، ریاست، ریاست، بین الاقوامی تعلقات اور رسمی صلاحیت ان میں سے ہر ایک کی اپنی اہمیت ہے گویا اکیسویں صدی کے دن تھوڑے پڑ جائینگے مگر پوری دنیا اور بالخصوص عالم اسلام کے مسائل ان دنوں سے بڑھکر ہونگے۔ یہ انتظار اور منظر بڑا حوصلہ شکن زہر گداز اور قدرے دلچسپ ہوگا کہ یہ مسائل کس طرح حل ہونگے؟

خدا معلوم پردۂ غیب میں ابھی کیا چھپا ہے سائنسدان اپنے نئے عجوبوں سے دنیا کو کس طرح متحیر، مرعوب اور مسحور کرتے ہیں؟ عالمی لیڈر عالمی بساط پر کیا گل کھلاتے ہیں؟ کون سی تہذیب مرتی اور کون سی ابھرتی ہے؟ نئی صدی میں طاقت کا نیا توازن کس طرح قائم ہوتا ہے؟ کون سے نئے جزائر دریافت ہوتے اور کون سے ممالک موت کے گھاٹ اترتے ہیں؟ علم ودانش کے افق پر کون سے نئے چاند وسورج طلوع ہوتے ہیں؟ بین الاقوامی تعلقات کیا کروٹ لیتے ہیں؟ اور سماجی ومعاشی میدانوں میں کیا پیش رفت ہوتی ہے؟ یہ سارے سوال اپنا جواب پانے کے منتظر بھی ہیں اور بہت حد تک مضطر بھی!

ایک مفکر ایک لیڈر اور ایک دانشور پیش آنے والے منظر کو بڑے تجسس بڑے غور اور بڑے اندیشے کیساتھ دیکھ رہا ہے اس کے دل ودماغ میں ایک جوار بھاٹا کی کیفیت ہے۔ مہریں ابھرتی اور مٹتی ہیں نقش بنتے اور بگڑتے ہیں، ہر ایک وقت کے قاضی کے فیصلے کا منتظر ہے۔

گزشتہ صدی کا جائزہ اور آئندہ صدی کا مجوزہ خاکہ بہر حال ایک وسیع اور تفصیل طلب موضوع ہے اس وسیع منظر نامے کا ایک بہت ہی مختصر مگر اہم حصہ دینی علماء کا کردار ہے جس کا جائزہ لیا جانا چاہئے۔ چونکہ عالم اسلام میں اسلام کی آواز بہت بلند ہے اور اس کو بلند کرنے اور صدیوں سے بلند رکھنے والے علماء کرام ہیں اس لئے مسلم سوسائٹی کے بناؤ اور بگاڑ میں علما کے کردار کو ایک گونہ اہمیت حاصل ہے اس امر کا جائزہ علماء کے گزشتہ اور آئندہ کردار کو متعین کرنے ... چاہتا ہوں کم از کم ایک حلقہ تو اپنے بارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں یکسو ہو جائے تا کہ وہ نئی صدی میں اپنا کردار نئے انداز میں ادا کر سکے اور وہ کردار مثبت ہو نئی حقیقتوں سے ہم آہنگ ہو پرانی خامیوں سے پاک ہو۔ اور اکیسویں صدی کے تقاضوں اور عالم اسلام کی ضرورتوں کے شایان شان ہو۔ اگلے صفحات اسی جائزے اور تجزیئے پر مشتمل ہیں۔ ممکن ہے بعض جگہ مبالغہ ہو گیا ہو۔ کہیں لہجہ سخت ہو گیا ہو کسی گوشے پر خوش فہمی غالب آگئی ہو کچھ حصے تشنہ رہ گئے ہوں اور بعض مقامات وضاحت طلب ہوں تا ہم ایک بات طے ہے کہ نیت کا فتور اور فکری خیانت کہیں بھی نہیں، چنانچہ قارئین اس مضمون کو اسی پس منظر میں پڑھیں اور اگر بذریعہ خط یا ٹیلی فون مجھ سے رابطہ کرنا چاہیں تو میرا پتہ اور فون نوٹ فرمالیں۔

عصر حاضر میں علماء کا سکڑتا ہوا کردار

یہ حقیقت بہت تلخ سہی مگر اسے مان لینا چاہیے اور ماننے کے علاوہ چارہ بھی نہیں کہ عصر حاضر میں روائتی دینی علماء اور مذہبی زعماء کا کردار بالخصوص پاکستانی معاشرے میں سکڑ کر رہ گیا ہے اور برابر سکڑتا سمٹتا چلا جارہا ہے۔ جب کہ دینی مدارس کا ایک وسیع و عریض سلسلہ ہے مساجد کی تعداد ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں ہے دینی تعلیم کے حصول میں مصروف طلباء بھی لا تعداد ہیں، مذہبی تقریبات کے انعقاد کا غلغلہ بھی چاروں طرف ہے اذانوں کی آواز سے پورا ملک گونج رہا ہے اور صلوٰۃ سلام کے نغمے ہر شہر اور قصبہ تو کیا ہر کوچہ و محلہ سے اٹھ رہے ہیں لیکن بایں ہمہ علماء کا کردار محض رسمی اور ضمنی نظر آتا ہے۔ کہیں بھی قائدانہ اور بنیادی کردار دکھائی نہیں دیتا۔ یہ منظر دیکھ کر ایک گونہ حسرت اور حیرت ہوتی ہے ایک طرف تو دنیا بھر میں اسلام کا چرچا ہے اور جادو بن کر ہر ایک کے سر چڑھ کر بول رہا ہے مغرب اور امریکہ نے اپنی مادی اور بے مزا تہذیب کے جملہ مالی، سیاسی، فکری، ذہنی اور علمی وسائل اسلام کی راہ روکنے اور اسلام پسندوں کا ناطقہ بند کرنے کیلئے وقف کئے ہوئے ہیں۔ اور مغرب کو سب سے زیادہ پریشانی اگر کسی جانب سے ہے تو وہ اسلام کے بڑھتے ہوئے سیاسی کردار اور فکری و روحانی یلغار سے ہے، امریکہ اور مغرب میں ریسرچ ونگ قائم ہو رہے ہیں نئے فلسفے تراشے جارہے ہیں۔ گوناگوں تہمتیں گھڑی جارہی ہیں اور اکیسویں صدی کیلئے نئے ہدف ڈھونڈھے جارہے ہیں، یہ سارا اہتمام صرف اور صرف اس دین کی روک تھام کیلئے ہے جس کی تہذیب اور فکر اکیسویں صدی کا جلی عنوان اور روشن نشان بنتی دکھائی دے رہی ہے وہ مسلم ممالک جہاں کمیونزم اور مغرب نے اپنے سارے ذرائع صرف کر کے اسلام اور اسکے فلسفے کو سرنگوں اور لوگوں کو اس سے بیزار کر دیا تھا۔ وہاں پھر سے اسلام لوگوں کیلئے نقطہ ماسکہ (Nucleus) اور قوت جاذبہ (Absorbent) بنتا جارہا ہے انڈونیشیا ہو یا الجزائر، ترکی ہو یا سوڈان، وسط ایشیائی ریاستیں ہوں یا اردن اور افغانستان ہو یا سابق یوگوسلاویہ ہر جگہ احیائی عمل اور رجوع الی الاصل زوروں پر ہے لیکن اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ ساتھ ایک آدھ ملک چھوڑ کر جہاں بھی احیائی اسلامی تحریکیں جاری ہیں۔ وہاں انکی رہنمائی وہ لوگ کر رہے ہیں جو ہیں تو مخلص اور سچے مسلمان۔ لیکن روائتی حلقہ علماء سے ان کا تعلق نہیں اور ان کا شمار باقاعدہ صف علماء میں نہیں ہوتا اسکا مطلب یہ ہوا کہ دین اپنی انقلابی اور فکری کشش سے تہی دامن نہیں کچھ کمی ہے تو اسکے وارثوں اور علمبرداروں میں ہے یعنی

ع رنگ جو کچھ دیکھتے ہو میرے پیمانے کا ہے

شیخ الاسلام، شیخ القرآن، شیخ التصوف، ارباب محراب و منبر استادان مکتب اور ارباب جبہ و دستار عوام کے لئے مراجع و مراکز نہیں بن رہے اور سیاسی و سماجی معاملات میں لوگ انکی قیادت پر مطمئن اور ان کی رہنمائی کے طالب نظر نہیں آتے۔ یہ ناخوشگوار واقعہ لمحہ فکریہ تو ہے ہی نقطہ اصلاح بھی بن سکتا ہے بشرطیکہ گردوپیش پر کوئی غور کرنے والا اور اپنے انداز پر نظر ثانی کے لئے تیار ہو آخر آج امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے وارث دوسروں کے محتاج اور ضمیمہ کیوں دکھائی دیتے ہیں؟ امام جعفر صادقؒ کے پیرو دوسروں کے ترجمان اور ناطق بنے ہوئے ہیں؟ آج امام ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ کے معنوی فرزند چھوٹے چھوٹے دائروں میں بند ہو کر کیوں رہ گئے ہیں؟ اور آج مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی فکر کے امین سمٹ کر گوشہ نشین کیوں ہو گئے ہیں؟ موتیوں سے کھیلنے والے آج سنگریزوں سے دل بہلا کر کیوں خوش رہتے ہیں؟ وقت کا امام کہلانے والوں سے کارِ جہاں کی زمام کیونکر چھن گئی ہے؟ اور قافلہ کے سالار کس لئے بے یار و مددگار اور دوسروں کی معاونت کے طلبگار نظر آتے ہیں؟ ظاہر ہے اتنے بڑے حادثے کے کچھ تو اسباب ہونگے کچھ خوشگوار اور کچھ ناگوار، ے

وقت کرتا ہے پرورش پر سوال
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

ان اسباب کا تجزیہ بھی ضروری ہے اور عصری ضروریات کا جائزہ لینا بھی لازمی ہے اس کے بغیر عروج و زوال کی یہ داستان مکمل نہیں ہوتی یہ موضوع ممکن ہے بعض ماتھوں پر تیوریاں چڑھادے لیکن قوی امکان ہے کہ لاکھوں اہل دل کیلئے یہ ایک ایسا سنگ میل ثابت ہو جس کا اندازہ کرنے میں آسانی رہے گی کہ ہم منزل سے کتنے دور رہ گئے ہیں یا کتنے قریب آگئے ہیں؟ اس بات میں اگر سارا قصور علماء کا نہیں تو تمام بوجھ عوام پر بھی نہیں ڈالا جاسکتا یہ رشتہ الفت اگر ٹوٹا ہے تو کسی کشاکش کی نشاندہی کرنی پڑیگی۔

علماء کرام کے عمومی اور اجتماعی کردار سکڑ جانے کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے اس کا ایک سبب یہ بھی سامنے آتا ہے۔ کہ علماء نے فروعات میں غیر معمولی انہماک کا مظاہرہ کیا ہے۔ فروعات کی بھی اپنی اہمیت ہوتی ہے لیکن جتنی فروعات کی ہونی چاہیے اسے نہیں اساسیات کا درجہ دینا اور توجہات کا مرکز بنانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ودینی واجتماعی مصالح کے خلاف ہے۔

ایک صحت مند اور بیمار آدمی کی خوراک جسطرح مختلف ہوتی ہے اور اس کا غذائی چارٹ صحت اور مرض کے حوالے سے تیار ہوتا ہے اسطرح دینی معاملات میں معاشرتی ضرورت اور عصری شعور کو سامنے رکھ کر یہ طے کرنا ہوتا ہے کہ اسوقت کرنے والا کام کون سا ہے۔ صلاحیتوں کا خراج کون سا میدان مانگ رہا ہے؟ اور لوگ کس موڑ پر کھڑے رہنمائی کے طالب ہیں؟ ذہن پر زیادہ زور دیئے بغیر بھی یہ حقائق سامنے آجاتے ہیں کہ اسوقت پوری دنیا قومی تہذیب کی چکاچوند سے چندھیائی ہوئی ہے۔ مادیت کا طلسم طاری ہے بے یقینی اپنی آخری حدوں کو چھورہی ہے۔ آخرت کا تصور دھندلا رہا ہے، مذہب کا وجود لوگوں کیلئے بار گراں بن رہا ہے دنیا بھر میں مجموعی طور پر نظام حکومت نفس پرست لوگوں کے ہاتھوں یرغمال بن چکا ہے۔ سیاست 'جلب منفعت اور حصول قوت کا ذریعہ بن کر رہ گئی ہے۔ معیشت کا ایک ایک رشتہ سود اور استحصال کے نظام میں الجھا ہوا ہے۔ بنیادی انسانی اخلاق قصہ پارینہ کے درجے میں پہنچ رہے ہیں، بر و بحر کے ہر کنارے تک فساد پھیل چکا ہے اور نئی نسل ایک نیا اور منفی جنم لے رہی ہے، حالات اگر یہ ہیں اور حقائق اس قدر تلخ ہیں تو ہر عالم دین کو اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر یہ سوچنا چاہیے کہ اسوقت نور و بشر کا مسئلہ اٹھانے کی کتنی ضرورت ہے؟ اور اس موضوع پر دادِ سخن دینے زور تحریر دکھانے اور مناظروں کا میدان سجانے کی کس قدر افادیت ہے؟ جبکہ صورت احوال یہ ہے کہ لوگ خود ذاتِ رسول سے رہنمائی لینے کی بجائے مختلف نظاموں فکر کے خود ساختہ سرچشموں اور نفس کے وسوسوں سے رہنمائی حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اسوقت رفع الیدین اور آمین بالجہر ثابت کرنے کیلئے لٹریچر کی بھرمار آخر کون سی بنیادی ضرورت پوری کررہی ہے۔ جبکہ مسجدیں نمازیوں سے خالی اور صفیں ہٹتی جارہی ہیں ایک بار مسجدیں نمازیوں سے بھر لینے دیں بعد میں دل کی بھڑاس نکال لیجئے۔

اسی طرح علم اور تعزیہ کو ضروریات دین میں شامل کرنے اور اس کی دن رات تبلیغ کرنے اور اسکے لئے ہمہ وقت سربکف رہنے سے امت کا کیا بھلا ہو رہا ہے؟ جبکہ آج دنیا میں خود مذہب کا علم سرنگوں اور اہل مذہب کا بھرم زبوں ہو رہا ہے۔ یہی حال دیگر فقہی جزئیات میں بے پناہ دلچسپی اور شغف کا ہے جین اور جوگر کلچر عروج پر ہے اور علماء کرام ابھی تک شلوار کے پائینچے اور تہمد کے کنارے ناپنے پر تلے ہوئے ہیں، ہالی وڈ کی تہذیب اپنی انتہا پر ہے۔ اور علماء کرام چہرے اور ہاتھ کے پردے کے جواز اور عدم جواز پر سینکڑوں صفحات سیاہ کررہے ہیں تہذیب مغرب میں خدا اور رسول کا نام لینا جرم ہو رہا ہے۔ اور علماء کرام عمامے اور دستار کے پیچ و خم درست کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ یورپ اپنے ثقافتی طائفے لے کر اسلامی تہذیب پر ٹوٹا پڑرہا ہے اور یہاں علماء و طلباء کی بحث سے فارغ نہیں ہو رہے۔ کوے کی حلت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و حرمت اور گھوڑے کی قربانی پر "بیش قیمت اور تحقیقی لٹریچر" مرتب فرما رہے ہیں یہ ٹھیک وہی بحثیں ہیں اور فروعات میں انہماک کا وہی عالم ہے جو کبھی سپین میں عیسائی حلقوں میں مباحث اور گرمئی گفتار کا تھا۔ وہاں بھی یہی ہو رہا تھا کہ بتایئے سوئی کی نوک پر کتنے ہزار فرشتے بیٹھ سکتے ہیں؟ اور حضرت عیسیٰؑ پر آسمان سے جو روٹی اترتی تھی وہ خمیری تھی یا فطیری؟ سقوط بغداد کے وقت بھی اسی نوع کے موضوعات زیر بحث تھے ظاہر ہے موضوعات یہ ہونگے تو حادثات بھی اسی طرح کے رونما ہوں گے جس طرح تاریخ میں ہو چکے ہیں، درخت کی جڑ پر تیشہ رکھا ہوا نظر آ رہا ہو تو پتوں کی تراش خراش ثانوی چیز ہو جاتی ہے، باغبان برق و شرر سے ملے ہوئے دکھائی دے رہے ہوں تو آشیانے کی فکر کرنا دانائی نہیں پورے گلستان کے بچاؤ کی تدبیر ڈھونڈنا عین حکمت اور تقاضائے اخلاص ہے، جہاں زندہ لوگ بات سننے پر آمادہ نہ ہوں وہاں سماع موتی کی بحث کا کیا حاصل؟ اور جہاں دل ٹوٹے ہوئے ہوں وہاں ٹخنے جوڑنے پر زور دینے کا کیا مطلب؟

رجال دین اور عوام کے درمیان اس وقت جو خلیج نظر آتی ہے اسکو زیادہ وسیع اور گہرا کرنے میں علماء کرام کے ذوق فتویٰ طرازی کو خاصا دخل حاصل ہے حالانکہ علماء سے بڑھ کر اس سے زیادہ کون واقف ہو سکتا ہے کہ اسلام کا مزاج فتویٰ نہیں بلکہ تقویٰ ہے، فروغ اسلام اور اشاعت دین میں کسی دور میں بھی کسی مفتی کے فتویٰ نے بنیادی کردار ادا نہیں کیا بلکہ علماء صلحا اور صوفیاء کے تقویٰ نے یہ خدمت سرانجام دی ہے، مگر حیرت یہ ہے کہ اس حقیقت کو جاننے اور اسے اپنے خطبات کا موضوع بنانے کے باوجود علماء اپنے "ذوقِ فتویٰ" پر قابو نہیں پا سکے۔ ہمارے نزدیک --- فتویٰ --- ایک ماہرانہ قانونی اور فقہی رائے کا نام ہے جس طرح کوئی عدالت زیر سماعت مقدمے اور تصفیہ طلب امور میں اٹارنی جنرل، ایڈووکیٹ جنرل یا کسی ماہر قانون یعنی وکیل سے رائے طلب کرتی ہے اسی طرح اسلامی ریاست میں علماء سے کسی مسئلہ کے بارے میں رائے طلب کی جاتی تھی اور اسی کا نام فتویٰ ہے اور آج بھی فقہی و شرعی امور میں عدالتیں ماہرین فقہ اور علماء سے آراء (یعنی فتویٰ) لیتی ہیں اور عدالتیں ان آراء اور فتووں کا بے حد احترام کرتی اور انہیں وزن دیتی ہیں جبکہ فتویٰ فیصلہ نہیں ہوتا جو فی الفور نافذ العمل ہو جائے۔ اور نہ مجاز اور آئینی و قانونی طور پر برسر عمل عدالت سے ہٹ کر اسے کوئی نافذ کر سکتا ہے لیکن ہمارے ہاں فتووں کا زیادہ تر زور فقہی واجتماعی امور پر نہیں بلکہ مسلکی مخالفین اور بہت ہی چھوٹے مسائل پر رہا ہے بات بات پر دائرہ اسلام سے خارج کر دینے کا فتویٰ مذہبی دنیا میں ایک عمومی فیشن بن چکا ہے اور ذرا سے اختلاف پر فتویٰ تیار رہتا ہے کہ فلاں کا نکاح باطل ہو گیا، فلاں کی نماز جنازہ جائز نہیں، فلاں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، فلاں واجب القتل ہے اور فلاں کافر اور مرتد ہے وغیرہ۔ فتووں کی اس بھرمار نے فتوے کا وقار اور بھرم مجروح کیا ہے اس طرز عمل سے لوگوں کے اندر ایک خاص قسم بلکہ کسی حد تک رد عمل ابھرا ہے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہر حال علماء کے حق میں مثبت نہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ باطل کی گرفت نہ کی جائے لغویات کا نوٹس نہ لیا جائے۔ منکرات پر نکیر نہ کیجائے اور فکری واعتقادی اور عملی واخلاقی انحراف پر نہ ٹوکا جائے۔ یہ سب کچھ ہو لیکن تھوک کے حساب سے نہیں بلکہ ٹھونک بجا کر! تاکہ الفاظ و حروف کی اہمیت اور افادیت کم اور مشکوک نہ ہو اگر رائے ٹھوس ہو متنازعہ مسئلہ فی الواقع اجتماعی وسماجی اہمیت اور دلچسپی رکھتا ہو۔ بات صحیح موضوع پر کہی گئی ہو دلائل کا معیار اونچا ہو اسکا ابلاغ بہتر اور اسلوب عالمانہ ہو تو اسے معاشرے کا اجتماعی ضمیر ذہنی اور عملی طور پر فورا قبول کرلیتا ہے۔ قادیانی ذریت کیخلاف دینی زعما کا فتویٰ ہر ایک نے قبول کیا صرف لباحیت زدہ اور مذہب بیزار لوگوں نے اس میں ذہنی تحفظ کا اظہار کیا۔ اس فتوے کو قبولیت اسلئے ملی کہ اس پر بحث ملک کے سب سے بڑے فورم --- قومی اسمبلی --- میں ہوئی۔ باقاعدہ دلائل دئے گئے فریق مخالف کو صفائی کا پورا پورا موقع دیا گیا تب جاکر فیصلہ صادر ہوا اور آئین پاکستان کا حصہ بنا مگر آئے روز کے فتوے اور ہر بات پر فتوے کا اجراء بہر حال خوشگوار تاثر نہیں چھوڑتے۔ ہم یہ جسارت تو نہیں کرینگے کہ علماء کے ایک دوسرے کے بارے میں فتووں کا ریکارڈ پیش کردیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ شاید ہی کسی مکتب فکر کا کوئی عالم بچا ہو جو کسی نہ کسی فتویٰ کی زد میں نہ آیا ہو۔ بریلوی حضرات کیخلاف دیوبندیوں کے فتوے، دیوبندیوں کیخلاف بریلویوں کے فتوے، مقلدین کے غیر مقلدین کے خلاف فتوے اور اہل حدیثوں کے اہل تقلید کیخلاف فتوے یہ سب کچھ کتابوں میں موجود ہے۔ اس رویے سے ایک خاص فضا بنی ہے جس نے ماحول کو زہر آلود اور نفرت انگیز بنادیا ہے۔ فتوؤں کا یہ فراخدلانہ اجراء دراصل مزاج کی تندی طبیعت کی انتہا پسندی اور شخصیت کی شدت کو ظاہر کرتا ہے۔ جبکہ عوامی واجتماعی امور میں تندی نہیں نرمی انتہا پسندی نہیں معتدل مزاجی اور شدت نہیں مفاہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ علماء کے اس طرز عمل نے انکے اور عوام کے درمیان پہلے سے موجود اجنبیت کی دیوار کو اور اونچا کردیا ہے اسلئے کہ قائدانہ منصب پر فائز لوگوں کے صرف حسن کردار پر ہی نہیں طرز گفتار پر بھی عوام کی نظر رہتی ہے۔ ویسے بھی یہ عمومی عادت ہے کہ خوبیوں کو اجالنے کا رواج کم اور خامیوں کو اچھالنے کا زیادہ ہے۔ فتویٰ بازی بہر حال ایک خامی ہے اور لوگوں نے اس خامی کو علماء کے خلاف حربے کے طور پر استعمال کیا ہے اور یہ موقع گستاخی معاف خود علماء کرام نے فراہم کیا ہے۔

عہد استعمار کا شاخسانہ

علماء کرام کو اجتماعی سیاسی اور سماجی زندگی کے کاٹ پھینکنے کے اگر بہت سے اسباب و عوامل خود حلقہ علماء کے پیدا کردہ ہیں تو ان میں ایک بڑا سبب انگریزی عہد حکومت ہے جب انگریز نے یہاں قدم جمالیا تو اس نے اپنا نظام تہذیب و تعلیم نہ صرف متعارف کرایا بلکہ پوری قوت اور جملہ وسائل کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ اسے یہاں رائج اور نافذ کیا اور ساتھ اسے غالب کرنے کی ہر ممکن تدبیر بھی کی انگریز کے نظام تمدن میں دین اور سیاست دو الگ چیزیں ہیں اور وہ بہت عرصہ پہلے انگلستان میں چرچ اور سٹیٹ کو الگ کر چکا تھا اسی طرح یہاں بھی فقہی رہنمائی اور سیاسی رہبری کے دو الگ دائرے بن گئے۔ چنانچہ جن لوگوں نے انگریز سے وفاداری کا پیمان باندھا، جنہیں جاگیریں الاٹ ہوئیں جنہیں تمغے ملے جو لوگ لندن یاترا کر کے آئے۔ جو مزاج شناس فرنگ تھے اور دینی زوال پر قانع ہوئے اور دنیوی عروج کے حریص بنے انہیں سیاسی ناخدا بننے کے تمام مواقع مہیا ہوئے بلکہ انہیں مواقع عطا کئے گئے رہ گئے علماء تو وہ درس حریت دینے میں لگے رہے بھلا وہ دو گروہ کس طرح سیاسی و معاشرتی عروج بیک وقت حاصل کرتے جن میں سے ایک انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ جاری کر رہا تھا اور دوسرا فرنگیوں کے آگے کاسہ لئے ہوئے تھا۔ ایک فرنگی تہذیب سے الجھنے والا اور دوسرا اسکی طرف لپکنے والا تھا ایک مزاحمت کر رہا تھا اور دوسرا معاونت پر تلا ہوا تھا ایک جزائر انڈیمان کی سزا کاٹ رہا تھا اور دوسرا انگریز کے تلوے چاٹ رہا تھا۔ ایک فرنگی راج کا باغی تھا اور ادوسرا اسکی چاکری پر راضی تھا۔ ایک پیٹھ پر کوڑے کھا رہا تھا اور دوسرا میم صاحب کے کتے کو نہلا رہا تھا نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ استعمار کے فریم میں فٹ ہوتے گئے ان کی راہیں آسان ہوتی گئیں اور جو لوگ اللہ و رسول کی چوکھٹ پر پڑے رہے انکے لئے زندگی تاوان بنتی گئی۔ یہ بات پبلک کو سو بار ناگوار گزرے گی مگر یہ واقعہ ہے کہ علماء کے "راندۂ درگاہ" ہونے کا ایک سبب انگریز کے سیاسی اور تہذیبی نظام کا غلبہ ہے آپ اسے علماء کی ضد کہیے یا فرنگی نظام سے کد کہیے وہ بہر حال اس دائرے میں آگے نہ بڑھ سکے اور آج تک وہ برابر سمٹتے اور سکڑتے چلے جا رہے ہیں یا وہ اسکے لیے مجبور کر دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ وہ دن اور آج کا دن ہم ذہنی و فکری طور پر دین اور سیاست کی تفریق کے قائل ہو چکے ہیں اور معاشرتی و سیاسی سطح پر علماء سے رہنمائی کو غیر ضروری قرار دے چکے ہیں اسی طرح لارڈ میکالے کی تعلیمی سفارشات کے نتیجے میں مرتب ہونے والا تعلیمی نظام نیا بندوبست اراضی حکومتی اداروں پر انگریزی اثرات کی یلغار نیا طبقاتی سیٹ اپ اور اسطرح کے دیگر بے شمار عوامل ہیں جو علماء کی شخصیت انکے وقار انکی کارکردگی اور انکے سیاسی کردار پر اثر انداز ہوئے جو آج ذرا زیادہ شدت کے ساتھ محسوس ہو رہے ہیں اپنے کردار کی محدودیت کے حوالے سے صرف علماء ہی مورد الزام نہیں کچھ اور باتیں بھی ہیں جنہیں پبلک اور دانشور سننا نہیں چاہتے یا سن کر ماننے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ ؂

کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

لیکن علماء کو چاہیے کہ وہ اس پر اکتفانہ کرلیں کہ انکے خلاف سازش ہوئی ہے انگریز اور اسکے پروردگان نے انہیں پیچھے دھکیلا ہے اور ایک گہرے منصوبے کے تحت انکو پچھلی صفوں میں بیٹھنے پر مجبور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر دیا گیا ہے۔ بلکہ جو باتیں انکے ذمے لگتی ہیں وہ انکا مقدور بھر ازالہ کریں۔

علماء اگر لاالہ کے وارث ہیں تو پھر اپنا کردار قاہرانہ اور گفتار دلیرانہ بنائیں۔ پھر سے اپنی نگاہوں میں وہ بجلیاں بھریں جن سے دل سینوں میں کانپ اٹھیں، اپنے سجدوں میں وہ کیف پیدا کریں جس سے روح زمین لرز اٹھے اور ایسی اذان کو رواج دیں جو شبستانِ وجود میں سحر طلوع کر دے۔ اگر کوئی دانشور غیر جانبدارانہ مگر ہمدردانہ تجزیے کے ذریعے ان پہلوؤں کو اجاگر کرے جن سے علما متفق نہ بھی ہوں پھر بھی انہیں ناراض ہونے کی بجائے غور و فکر سے کام لینا چاہیے۔ کیونکہ چڑیاں سارا کھیت چگ گئی ہیں جو دو چار دانے رہ گئے ہیں کہیں علماء اپنے طرز عمل سے وہ بھی نہ گنوا بیٹھیں، عوام کی سادہ لوحی اپنی جگہ مگر علماء کو حقیقت گریزی کی روش اختیار نہیں کرنی چاہیے۔

دینی مدارس کا نصاب تعلیم

اجتماعی معاملات میں علماء کرام سے رہنمائی نہ لئے جانے اور انکے کردار کے محدود ہو جانے میں ایک حد تک مدراس دینیہ میں رائج تعلیم کا بھی حصہ ہے، مروجہ نصاب تعلیم کے ذریعے جو لوگ تیار ہو رہے ہیں انکا وژن بہت حد تک مکتبی اور انکی اپروچ بہت ہی انفرادی ہے، ہمیں زیادہ قطعیت کے ساتھ معلوم نہیں کہ الجزائر، مصر عراق اور دوسرے مسلم ممالک میں کون سا نصاب تعلیمی رائج ہے اور وہاں دینی مدارس کا انداز اور اسٹیٹس کیا ہے؟ لیکن برصغیر پاک و ہند میں جو "درس نظامی" رائج ہے اس سے ہم کسی قدر واقف اور آگاہ ہیں۔ یہ نصاب تعلیم جس دور میں مرتب ہوا ہو سکتا ہے کہ اس عہد کے رجحانات علمی اور ترجیحاتِ تمدنی کے عین مطابق ہو اس لیے کہ اس وقت تک دنیا ابھی "گلوبل ویلج" نہیں بنی تھی اس خطے کے لئے جو کچھ سیاست و ریاست اور مذہب و معاشرت کے لئے درکار تھی وہ درس نظامی مہیا کر رہا تھا لیکن اب اسے پوری طرح نچوڑ بھی لیا جائے تو ایک آدھ لب تر ہو سکتا ہے کسی کی تشنگی نہیں بجھ سکتی، ابتدائی فنی کتب کو چھوڑ کر (جنمیں صرف نحو اور منطق کی کتابیں شامل ہیں) منتہی کتب میں سے جو حصہ جس ترغیب سے پڑھایا جاتا ہے اس سے واعظ جمعہ اور عیدین کے خطیب روائتی مفتی اور فنی مدرس تو تیار ہو جاتے ہیں لیکن عمرانی مسائل سے کماحقہ واقفیت، مجتہدانہ بصیرت، شرعی احکام و قوانین کا عصری تغیرات اور ضروریات پر اطلاق و انطباق اور تمدنی مصالح سے آگہی جیسی خوبیاں اس نصاب تعلیم اور طرز تدریس سے قطعاً پیدا نہیں ہوتیں، مثلاً فقہ کی تدریس میں طہارت، وضو اکل و شرب کے آداب، نکاح، طلاق، اور پہننے اوڑھنے کے مسائل تو پوری شرح و بسط اور تفصیل و تحقیق کے ساتھ پڑھائے جاتے ہیں لیکن حدود معاملات بین الاقوامی معاہدوں اور تعلقات، اصول جنگ اور صلح کا باب جہاں سے شروع ہوتا ہے وہاں سے سرسری گزر جانے پر قناعت کی جاتی ہے بہت کم لوگ ان ابواب میں مہارت اور ممارست پیدا کر پاتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ آخر یہی فقہ تھا جو کسی دور میں مختلف ملکوں اور حکومتوں میں پبلک لاء کے طور پر نافذ رہا، ائمہ فقہ نے اجتہادی بصیرت اور بڑی جگر کاری کے ساتھ اخذ و استنباط سے کام لیا اور دینی احکام کی تمام علتوں اور مصلحتوں کو خوب واضح کیا تب جا کر یہ فقہ ریاستی دستور العمل کا درجہ پانے میں کامیاب ہوئی اور ایک لحاظ سے فول پروف فقہی نظام رائج ہوا لیکن آج مشکل سے ایک آدھ آدمی ملے گا جو مجتہدانہ بصیرت اور تحقیقی نشان کے ساتھ ان احکام کے قالب میں روح عصر سمونے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو ورنہ جو کچھ کتابوں میں ہے اس کا ترجمہ کر دینے کو علم کی معراج سمجھ لیا گیا ہے۔ اور اسکی گردان کو فقہی بصیرت یہی صورت دورۂ حدیث کی ہے وہاں بھی زیادہ زور فنی مباحث پر رہتا ہے یا اپنے اپنے فقہی مسلک کی تائید پر اور اب تو حال یہ ہے کہ جو جس گروہ سے وابستہ ہے وہ ان متنازعہ مسائل کو حدیث کی روشنی میں صحیح ثابت کرنے کو "علم الحدیث" کہتا اور اپنے آپ کو "محدث" قرار دیتا ہے حالانکہ حدیث حضور اکرم ﷺ کے قول مقدس اور عمل مبارک کا تاریخی ریکارڈ ہے اور الٰہی نظام اور نبویؐ معاشرت قائم کرنے کا سرچشمہ جبکہ آج دنیا جس فکری الحاد، عملی ارتداد، معاشرتی انحطاط، معاشی استحصال اور تمدنی زوال کا شکار ہے اسے دوبارہ صحتمند اور پاکیزہ اور منصفانہ بنانے کے لئے وہ تمام ضروریات اور تقاضے احادیث رسولؐ اور اسوۂ پیغمبرؐ میں موجود ہیں جنہیں بروئے کار لانا وقت کی ڈیمانڈ ہے۔ مگر یہ چیزیں اس طرز تدریس حاصل نہیں ہو سکتیں جو اس وقت مدارس میں رائج ہے کچھ اس طرح کا سلوک مدارس کے اندر قرآن مجید کے ساتھ روا رکھا گیا ہے وہ کتاب جو نصاب انقلاب ہے جو نور مبین ہے جو محکم صحیفہ ہے جو دستور حیات ہے، جو صحیفہ علم و حکمت ہے جو بندوں پر اللہ کی آخری اور روشن برہان ہے اور حق و باطل کیلئے قطعی میزان ہے اس چشمہ ء فیض سے عرب کا صحرا سیراب ہوا ئی تہذیب نے جنم لیا زندگی کے اچھوتے قاعدے ترتیب پائے، اور اسلامی ریاست قائم ہوئی لیکن مروجہ درس نظامی میں قرآن مجید کے لئے کوئی خاص گوشہ اور وقت مختص نہیں صرف دو تفاسیر جلالین اور بیضاوی پڑھائی جاتی ہیں جو کسی حد تک صرفی و نحوی ضروریات تو پوری کرتی ہیں لیکن قرآن حکیم کے الہامی و انقلابی پیغام کو سمجھنے میں کوئی مدد نہیں دیتیں، جلالین کہنے کو تفسیر تو ہے لیکن خود متن قرآن سے بھی مختصر اور اسی طرح بیضاوی فنی مباحث کا مجموعہ ہے جس سے زندگی میں کوئی حرارت پیدا نہیں ہوتی حالانکہ قدیم اور جدید تفاسیر ایسی کتابیں موجود ہیں جنہیں پڑھ کر قرآن مجید کے الہامی کتاب اور انقلابی نصاب ہونے پر بندے کو از سر نو یقین آتا ہے لیکن یہ تفاسیر درس نظامی کا حصہ آج بھی اس لئے نہیں بن سکیں کہ ملا نظام الدین سہالوی کا مرتب کردہ "درس نظام" حرفِ آخر قرار پا چکا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ ان تفسیروں سے ہمارے علماء کے فرقہ وارانہ مزاج کی بھی تسکین نہیں ہوتی اس لئے ان میں دلچسپی نہیں لی جاتی ظاہر ہے جو طالب علم اس نصاب تعلیم سے گزر کر اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طرز تدریس کے مطابق پڑھ کر عالم بنے گا وہ یک رخا کردار تو ادا کر سکے گا جامع کردار ادا کرنا اس کیلئے ممکن نہیں ہو گا اس کے نتیجے میں معاشرہ اس کے لئے اجنبی اور وہ معاشرے کے لئے اجنبی ہو گا۔

بہت ہی معذرت کے ساتھ مجھے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ روح عصر سے صرف نظر کا رویہ سب سے زیادہ علما کرام کے ہاں رائج ہے اور یہ حضرات ایک خاص نفسیاتی فضا میں سانس لیتے اور ایک مخصوص زاویے سے زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں، اس رویے کے باعث عصری معاملات اور مسائل میں انکا رول روز بروز محدود سے محدود تر ہوتا جا رہا ہے۔ میں حتمی طور پر نہیں جانتا کہ اس چیز کا ادراک واحساس ان حلقوں میں کس قدر ہے یا بالکل ہی نہیں؟ مگر ہمارے ہاں جو مذہبی لٹریچر تیار ہو رہا ہے اور جس نوع کے مسائل بر سر منبر بیان ہوتے ہیں انہیں پڑھ اور سن کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت اگر نور وبشر کا مسئلہ حل ہو جائے رفع الیدین کا نزاع ختم ہو جائے۔ آٹھ اور بیس تراویح کا معاملہ طے ہو جائے صلوٰۃ وسلام کا جھگڑا رفع ہو جائے۔ اور تعزیئے اور ذوالجناح کا مناقشہ تحلیل ہو جائے تو پوری دنیا میں امن قائم ہو جائے گا انصاف پروان چڑھے گا معاشی استحصال کا خاتمہ ہو جائے گا سیاسی بالادستی کا امریکی خواب دم توڑ جائے گا۔ اخلاقی اقدار کو استحکام نصیب ہو جائے گا، جلسوں کا ریکارڈ دیکھ لیجئے خطبات جمعہ کے کیسٹ سن لیجئے بس یہی موضوعات ملیں گے قبروں پر جانا جائز ہے یا نہیں؟ حضورؐ کے والدین مومن تھے یا نہیں؟ گنبد بنانا ثواب ہے یا مکروہ؟ دسواں اور چہلم مباح ہے یا بدعت؟ لاؤڈ سپیکر میں نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ میلاد کا جلوس نکالنا روا ہے یا ناروا؟ وغیرہ۔ حالانکہ روح کی عصر پکار اور شعور عصر کی ندا ان مسائل سے بالکل مختلف ہے شعور عصر تقاضا کر رہا ہے کہ مغرب کی بے خدا تہذیب کا شکنجہ توڑ کر باخدا تہذیب کا قیام کیسے عمل میں لایا جائے؟ تقلید مغرب میں قائم سیاسی نظام کی جگہ اسلام کا شورائی نظام کس طرح برپا کیا جائے؟ اخلاق باختہ سوسائٹی کو مکارم اخلاق کا گہوارہ کیونکر بنایا جائے؟ شکوک وشبہات میں محصور دنیا کو پھر سے مرکز یقین کیسے بنایا جائے؟ معاشی نظام کو سود سیاسی نظام کو جبر اور زر معاشرتی نظام کو مکر سماجی نظام کو ظلم اور خاندانی نظام کو شکست وریخت سے کیسے بچایا جائے؟ بے قید نجی ملکیت، بے رحم جاگیرداریت، مہاجنی صنعت اور حیا سوز ثقافت سے دنیا کو کیسے نجات دلائی جائے؟ فکری ارتداد اور عملی نفاق سے عالم انسانی کی جان کیسے چھڑائی جائے؟ اور شرق وغرب میں ایمان کی لہر اٹھانے اور عرفان کی بہار لانے کی کیا تدبیر کی جائے؟

یہ ہے روح عصر کا تقاضا اور شعور عصر کا فریضہ جسے پورا کرنا بہر حال ان لوگوں کے ذمے ہے جنہیں وراثت میں انبیاء کے منصب کا شرف حاصل ہے، علم وعرفان کے تین سرچشمے ایسے ہیں اور جن تک خوش قسمتی سے علماء کو رسائی حاصل ہے اگر ان سے فیض اٹھایا جائے تو روح عصر کو قرار اور شعور عصر کو فروغ حاصل ہو سکتا ہے۔ اور وہ ہیں قرآن مجید، سنت رسول اللہ ﷺ اور سیرت طیبہ۔ لیکن شرط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ہے کہ قرآن حکیم کا مطالعہ مسلکی مصلحت کے مطابق نہیں آفاقی ضرورت کے مطابق کیا جائے تو سچی بات یہ ہے کہ کوئی تفسیر سامنے رکھے بغیر قرآن خود بول کر اپنا مفہوم اور مدعا بیان کر دیتا ہے کہ میں کیا ہوں؟ مرے دامن میں کیا ہے؟ اور میں کس لئے اترا ہوں؟ میری ایک ایک آیت میں کتنے جہان اور معنی پوشیدہ ہیں؟ میرا ایک ایک حرف جریدۂ عالم پر کیوں ثبت ہونے کے قابل ہے؟ میں نے ''ضلال مبین'' کے ماحول کو ''نور مبین'' میں کیسے بدل دیا؟ بس بات صرف اتنی ہے کہ کوئی قرآن کا سچا قاری، مخلص سامع اور صاحبِ نظر مفسر ہو، سنت ثابتہ بھی ہر طرح کے زلیغ وضلال سے بچنے کیلئے بہت بڑی ڈھال ہے، رہ گئی سیرت طیبہ تو یہ وہ مینارہ نور ہے جس سے قافلے زندگی کی راہ اور منزل کا نشان پاتے ہیں، لیکن آج جس طرح سنت وبدعت کے مسئلے اٹھائے جاتے ہیں وہ سنت کے فہم سے عاری ہونے کی چغلی کھاتے ہیں، آج اسلامی ریاست کیسے قائم ہو؟ اس کے لئے سنت کے احیا کی ضرورت ہے آج عدل اجتماعی کا قیام سیرت کی روشنی میں کیسے ہو؟ یہ مطالعہ سیرت کی بنیاد ہے۔ عمامہ کتنے گز کا ہو؟ اور زلفیں کیسے ترشوائی جائیں یہ سنت وسیرت کے جوہری مسائل نہیں۔

زمانے کے تغیر کے ساتھ ہی حالات میں تغیر اور مسائل میں تنوع آچکا ہے اس تغیر کا بغور جائزہ اور اس تنوع کا بدتعمق مشاہدہ دراصل شعورِ عصر ہے، دنیا قبائلی عہد سے نکل کر جاگیری دور سے ہوتی ہوئی صنعتی زمانے میں داخل ہو چکی ہے ملوکیت سے امارت اور امارت سے جمہوریت تک کا سفر طے ہو چکا ہے غلامی سے آزادی کے مرحلے تقریباً تمام ہو چکے ہیں، انسان ہر چیز پر سوچنے اور ہر بات کہنے کا حق حاصل کر چکا ہے۔ توہمات کی فصلیں گر اور روایات کی زنجیریں کٹ چکی ہیں، جدید سوسائٹی میں انسانی رشتے نئی بنیادیں تلاش کر چکے ہیں، آقا اور غلام، سردار اور نوکر، بادشاہ اور رعایا، جاگیر دار اور مزارع یہ سب حوالے بہت حد تک دم توڑ چکے ہیں، ان جوہری تبدیلیوں کو ذہن میں رکھ کر علماء کو اپنی ترجیحات متعین کرنی چاہئیں اور اپنے موضوعات مقرر کرنے چاہیں، ورنہ زمانہ بڑا بے رحم اور تاریخ بڑی بے مروت ہے، یہ اپنا فیصلہ سنانے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتے۔

علماء بلاشبہ انبیاء کے وارث ہیں اور رسول اعظم و آخر ﷺ کا تو سارا ورثہ علماء ہی کو منتقل ہوا ہے اسلئے کہ اب کسی پیغمبر نے مبعوث نہیں ہونا حضورؐ کے ہاتھوں جو امت تشکیل ہوئی اس کے اخلاق کی تہذیب اور اس کے عناصر کی ترتیب علماء نے کرنی ہے مگر بدقسمتی سے امت کا تصور تحلیل ہو کر فرقہ واریت کے ڈراؤنے ہیولے میں منتقل ہو گیا ہے اور یہ ذوق برصغیر پاک و ہند میں کچھ زیادہ ہی بڑھا ہوا ہے۔

فرقہ بندی کے اس بے محابہ فروغ میں کچھ فرنگی حکومت کی چالیں اور سیاسی مصلحتیں بھی شامل تھیں لیکن اس پودے کی آبیاری میں خود علماء نے بھی پورا پورا حصہ لیا چنانچہ محبت و نفرت، پسند و ناپسند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

، قربت وغیرت اور دوستی وعداوت کا پیمانہ امت نہیں رہی بلکہ فرقہ بن گیا۔ ہر شخص فرقے کی میزان میں تولا جانے لگا۔ فرقے کی آنکھ سے دیکھا جانے لگا فرقے کی کسوٹی پر پرکھا جانے لگا اور فرقے کے سانچے میں ڈھالا جانے لگا جب علماء فرقہ بندی کے جواز کے لئے قرآن وحدیث اور فقہاء کے اقوال کا سہارا لینے لگے اور ایک دوسرے سے بڑھ کر ان فرقوں کی دینی حیثیت اور افادیت پر زور دینے لگے تو عوام کو لامحالہ فرقوں میں تقسیم ہونا تھا اور لازماً کسی نہ کسی فرقے سے جڑنا تھا اور فرقہ جب ہے ہی تفرقے کا نام تو پھر وحدت اور یکجہتی کہاں سے آتی ؟

ظاہر ہے جو قوم فرقوں میں بٹ جائے یا بانٹ دی جائے تو اسکے جملہ اہداف ومقاصد امت کے تصور سے مختلف ہی نہیں متصادم ہو جاتے ہیں امت عقیدہ پر عمل کی وحدت سے تشکیل پاتی ہے جیسا کہ فرقے اپنے مختلف رسوم اور شعائر سے مشخص ہوتے ہیں، جب علماء نے فرقہ وارانہ ترجیحات ازسر نو متعین کیں تو نفرت ومحبت کا ہدف بدل گیا۔ اسلام کے اعتقادی وفکری دشمن سے وہ نفرت نہیں رہی جو اپنے فرقے کے مخالف سے پیدا ہوگئی امت کی ذلت پر اتنا ملال نہ رہا جتنا اپنے فرقے کی شکست پر رنج محسوس ہوا، امت کے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹ جانے سے علماء امت کے پیشوا نہ رہے بلکہ اپنے اپنے دھڑے کے رہنما بن گئے۔ جس طرح ہر دھڑے دوسرے کو نیچا دکھانے پر تل گیا ہے اسی طرح علماء بھی ایک دوسرے کی پسپائی کی آرزو کرنے لگے ہیں۔ ظاہر ہے جب علماء اپنے ہی ہم منصبوں سے برسرپیکار ہونگے تو پھر اعزاز اور وقار کہاں رہیگا ؟ مگر رفتہ رفتہ لوگ اس مذہبی محاذ آرائی کی ضرر رسانیوں کا مشاہدہ کرتے گئے شعور عصر بھی نسبتاً پختہ ہوگیا گردوپیش سے بھی آگہی کا دائرہ وسیع ہوگیا اور مواصلاتی رابطوں نے لوگوں کو نئے زاویوں اور مسائل کی نئی جہتوں سے آشنا کیا تو لوگوں کی فرقہ بندی سے وابستگی کمزور پڑتی گئی اور لوگوں نے محسوس کیا کہ اسوقت اقوام عالم کی صفوں میں اگر پوری امت مل کر کوئی بڑا کردار ادا نہیں کر رہی تو چھوٹے چھوٹے فقہی گروہ بھلا کیا کر سکیں گے ؟ علماء چونکہ ان فرقوں کے رہنما تھے وہ بھلا پیچھے کیسے ہٹتے ؟ اس طرح عوام اور علماء کے درمیان رشتہ کمزور پڑ گیا نماز، روزہ، زکوٰۃ، نکاح، طلاق کی حد تک لوگوں نے علماء سے رابطہ برقرار رکھا لیکن وہ معاملات جن کا سیاسی ومعاشرتی اصلاح اور بگاڑ سے تعلق تھا اس سلسلے میں عوام نے علماء کے بجائے دوسرے مراکز ڈھونڈھ لئے یوں علماء معاشرے کے اجتماعی کردار اور منظر سے قریب قریب غائب ہوتے چلے گئے، حق یہ کہ علماء نے جتنا زور اپنے اپنے فرقوں کی توسیع واستحکام پر لگایا ہے اگر اتنی قوت اور محنت غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں لانے اور اور پہلے سے موجود مسلمانوں کے اخلاق واطوار سدھارنے میں کھپاتے تو خدا شاہد ہے نہ یہ امت بے امام ہوتی نہ دنیا پرستوں کے ہاتھ معاملات کی زمام ہوتی اور نہ علماء کی ذات اس قدر بے وقعت اور غیر اہم ہوتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرقہ وارانہ مزاج نے علماء کو محدود دائرے میں محصور کر دیا اور وہ اعلیٰ سماجی سیاسی اور اجتماعی کردار نظروں سے اوجھل ہو گیا جسے ادا کرنا اصل میں علما کے شایانِ شان تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ علماء کی معقول تعداد نے سیاسی و سماجی کردار کے حوالے سے بڑی ذمہ داری کا ثبوت دیا لیکن اس سے کہیں بڑی تعداد نے اس جانب توجہ نہیں دی یوں صلاحیتوں کا ایک قیمتی اور بڑا حصہ امت کی ہدایت کی بجائے گروہی عصبیت میں کھپ گیا ورنہ علماء کے پاس جو مساجد کا ایک وسیع و عریض سلسلہ ہے، طلباء اور معتقدین کا بیش بہا اثاثہ ہے اور تحریر و تقریر کا جو سرمایہ ہے وہ دوسروں کے ہاں نہیں اسکا ذمہ دارانہ استعمال امت کو بلاشبہ امامت کا منصب سونپ سکتا تھا۔ مگر ایسا نہیں ہو پایا۔ واقعہ یہ ہے کہ اجتماعی امور میں اجتماعیت کا تصور چل سکتا ہے گروہی عصبیت کا نہیں، فرقہ وارانہ مزاج نے زندگی اور وقت کی پوری ترجیحات کو الٹ کر رکھ دیا جس کے نتیجے میں دینی حلقوں کی ساری بساط الٹ کر رہ گئی۔

دین بنیادی طور پر --دعوت-- کا دوسرا نام ہے اگر کوئی پوچھے کہ دینا میں سب سے مشکل کام کون سا ہے تو اسکا جواب ہو گا --دعوت کا کام-- اس لئے کہ دعوت دماغ پگھلانے اور ہڈیوں کا گودا گھلانے کا تقاضا کرتی ہے کوئی انبیاء کرام اور مصلحین امت سے دریافت کرے کہ دعوت انسان کو کن کن زہر گداز اور جگر پاش مراحل سے گزارتی ہے، دعوتِ دین کے اجزائے ترکیبی میں پختگی علم، ضبط نفس، فراخ حوصلگی، صبر و ثبات، سلامتی فکر و ذہن اور قوت برداشت شامل ہیں۔ داعی کبھی تھڑولا نہیں ہوتا، بے حوصلہ نہیں ہوتا، چڑچڑا نہیں ہوتا، بد خواہ نہیں ہوتا کم نگاہ اور طالب جاہ نہیں ہوتا داعی کو زندگی کا ہر لمحہ پل صراط پر سے گزر کر بسر کرنا ہوتا ہے ذرا سا افراط اور معمولی سی تفریط داعی کو غیر متوازن بنا کر اپنے مدعی اور مقصد سے بہت دور لے جاتی ہے علماء کرام وارثان انبیا ہونے کے ناتے داعی کا منصب رکھتے ہیں اس لئے انہیں عام آدمی کے مقابلے میں دلسوزی دردمندی اور خیر خواہی کے جذبات سے معمور اور درشتی و تلخ کلامی سے دور ہونا چاہیے۔ کیونکہ داعی اپنی منزل کہکشاں سے ہو کر نہیں پتھروں پر چل کر حاصل کرتا ہے، دار ارقم، صحن حرم، شعب ابی طالب اور وادی طائف داعی کی منزل کے سنگ ہائے میل ہیں، داعی کسی چٹان سے سر نہیں پھوڑتا بلکہ جوئے رواں کی طرح اپنا راستہ بناتا اور رخ موڑتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے یہاں ایک دور مین دینی لوگوں کو مناظرہ بہت مرغوب رہا ہے اس عہد کی یادگار ابھی باقی اور یہ نفسیات ابھی تک قائم ہے اہل نظر کا کہنا ہے کہ حسنِ مقال بہر کیف جدال سے بہتر ہے کہیں مناظرہ ناگریز ہو بھی تو "قول احسن" اور "عنوان شائستہ" کو مد نظر رکھنا چاہیے، چیلنج، فتویٰ، تحقیر اور الزام تراشی سے راہ ہدایت اگر بالکل مسدود نہیں تو محدود ضرور ہو جاتی ہے۔

عیسائیوں، ہندوؤں اور قادیانیوں سے تو مناظرے کا پھر بھی جواز ہے لیکن اہل اسلام کا فروعی مسائل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر ایک دوسرے کے دوبدو ہونا اور دنگل سجانا نا قابل فہم سی بات ہے، اور موضوع بھی وہی از کار رفتہ کہ نماز میں ہاتھ سینے پر ہونے چاہئیں یا ناف پر، تراویح کی رکعتیں آٹھ ہیں یا بیس، تیجہ، دسواں اور چہلم مباح ہے یا مکروہ، انہی مناظروں کے نتیجے میں ایسے لٹریچر کا طوفان بندھا ہے کہ دینی حلقوں کا وقار خاک میں ملکر رہ گیا ہے۔ علمی بحث اور تحقیقی مذاکرہ اور چیز ہے اور فن مناظرہ بالکل چیز سے دگر، اول الذکر سے ذوق مطالعہ بڑھتا اور ثانی الذکر سے صرف سماجی مقاطعہ واقع ہوتا ہے لوگوں نے جب علماء کو ان مسائل میں ہمہ وقت الجھا ہوا اور سرگرداں پایا تو انہوں نے اپنے طور پر یہ سوچ لیا کہ جن سے آجتک یہ فروعی مسائل طے نہیں ہوئے ان سے دنیا کے عمومی مسائل کیا حل ہونگے ؟ جو کسی فقہی تعبیر میں تطبیق پیدا نہیں کر سکے وہ زندگی کی تفسیر کیا کر سکیں گے ؟ دلیل ہیرے کی ایک ایسی کنی ہے جو پتھر کا جگر چیر دیتی ہے لیکن مناظرہ ایک ایسا معاملہ ہے جسکا نتیجہ آج تک نہیں نکل سکا۔

علماء کرام اگر داعی کا کردار اپنائیں تو انہیں ہر فرد بشر اپنا مدعو نظر آئے گا اور ہر مدعو محبت توجہ ہمدردی اور شفقت کا مستحق ہوتا ہے اسے جھڑکا، جھٹکا اور ٹوکا نہیں جاتا اسے پیار سے بلایا، محبت سے پاس بٹھایا اور دلیل سے سمجھایا جاتا ہے، تبلیغ ودعوت کوئی ذاتی مسئلہ تو نہیں کہ آدمی ذاتیات پر اتر آئے، یہ تو الٰہی فریضہ ہے جسے صرف اس غرض اور حرص سے ادا کیا جاتا ہے کہ شاید مدعو کے لئے ہدایت اور داعی کے لئے مغفرت کا موجب ثابت ہو قیامت کے روز داعی کو اس کا اجر تو ضرور ملے گا کہ اس نے اپنے حسن کلام ذاتی ایثار اور عمدہ کردار سے کئی لوگوں کو سیدھی راہ دکھائی لیکن اسکا کوئی نیک بدلہ نہیں ملے گا کہ اس نے اپنے بھڑکیلے مزاج، غصیلے انداز اور کٹیلے الفاظ سے بہت سے لوگوں کو دھتکارا اور بھگایا تھا۔ اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے فرض کیا ان میں سے کوئی بھی الزام علماء کرام کے ذمے نہیں لگتا لیکن سماجیت اور اجتماعیات میں انکا کردار معدود کیوں ہو گیا ہے ؟ یہ سوال پھر بھی اپنی جگہ باقی ہے، اس سوال کا جواب کسی ایک گروہ کے رہنما اور عالم دین کے ذمے نہیں بلکہ علماء امت پر قرض ہے کہ وہ خود تجزیہ کر کے بتائیں کہ ڈور کا سرا کہاں الجھ رہا، پانی کہاں مر رہا اور معاشرے اور علماء کا باہمی رابطہ کہاں کٹ رہا ہے ؟ گزشتہ کل بھی علماء امت کے والی اور نگران تھے اور آج بھی علماء کو ہونا چاہیے۔ انہیں اپنے فرض منصبی کے حوالے سے ضرور غور کرنا چاہیے کہ دنیا دگرگوں اور تاروں کی گردش تیز تر کیوں ہو رہی ہے 'متاعِ دین و دانش اگر بیچ بازار لٹ رہی ہے تو یہ کس کافر ادا کے غمزۂ خوں ریز کا کرشمہ ہے ؟ عجم کے لالہ زار وہی ہیں لیکن کوئی رومی کیوں نہیں اٹھ رہا ؟ خاک بغداد شیخ جیلانیؒ اور امام غزالی کو کیوں ترس رہی ہے ؟ اور ایران کی آب و گل تو پہلے والی ہے لیکن کوئی رازیؒ کیوں نمودار نہیں ہو رہا ؟ اگر مسئلہ کسی دیرینہ بیماری اور دل کی نا محکمی کا ہے تو پھر اسکے لئے آبِ نشاط انگیز بھی علماء ہی کو ڈھونڈنا پڑے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الحمد للہ دارالاشاعت کراچی کی ایک اور علمی پیشکش

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کے مشہور فتاوی کا مجموعہ

کفایت المفتی جدید مدلل مکمل

کمپیوٹر کتابت | عمدہ کاغذ و طباعت | مجلد بیروت انداز میں

زیر نگرانی دارالافتاء جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

ابتدائیہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

تمام مسائل پر عنوانات اور حوالوں کے ساتھ جس سے مفتیان کرام محققین، علماء و طلباء اب بہ آسانی استفادہ کرسکیں گے۔ اعلیٰ معیار کے ساتھ

عام قیمت =/1500 رعایتی قیمت =/940

نوٹ:۔ رعایتی قیمت بذریعہ منی آرڈر پیشگی آنے پر ڈاک خرچہ کی رعایت

ہمارے ادارے کی مطبوعہ دیگر فقہی کتب

فتاوی دارالعلوم کمپیوٹر	۲ جلد	حضرت مفتی محمد شفیعؒ
فتاوی رحیمیہ ۱۰ حصے کامل در	۵ جلد	حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحب
فتاوی عالمگیری اردو	۱۰ جلد کامل	اورنگزیب عالمگیر
فتاوی دارالعلوم دیوبند	۱۰ جلد کامل	حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب
علم الفقہ		حضرت مفتی عبدالشکور صاحبؒ
اسلام کا نظام اراضی		حضرت مفتی محمد شفیعؒ
خواتین کے لئے شرعی احکام		اہلیہ ظریف احمد تھانوی صاحب
حیلۂ ناجزہ یعنی عورتوں کا حق تنسیخ نکاح		حضرت تھانویؒ
اسلامی قانون نکاح طلاق وراثت		
مسائل معارف القرآن		حضرت مفتی محمد شفیعؒ
ہمارے عائلی مسائل		حضرت مفتی محمد تقی عثمانی

© rasailojaraid.com

دارالاشاعت اردو بازار کراچی نمبر افون: 2213768, 2631861